مسئلہ خلو کی وضاحت کیلئے بلندی کی گردش
جَوّالُ العلو لتبیّین الخلو
۱۳۳۶ھ
تصنیف لطیف:۔
اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمہ
ALAHAZRAT NETWORK
اعلحضرت نیٹ ورک
www.alahazratnetwork.org

رسالہ

جَوّالُ العلو لتبیّن الخلو

۱۳۳۶ھ

(مسئلہ خلو کی وضاحت کے لئے بلندی کی گردش)

مسئلہ ۶۹ تا ۷۳: از قصبہ لاہر پور ضلع سیتاپور بمکان سید شاہ ولایت احمد صاحب مرسلہ وجد الحسن صاحب ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

(۱) اوقاف میں کسی شخص کو کچھ اراضی بطور خلو جس کا ذکر شامی ج ۴ کتاب البیوع بحث خلو الحوانیت میں ہے زرپیشگی لے کر اس شرط پر دینا کہ وہ اجر مثل سال بسال اپنے زرپیشگی میں محسوب کرتا رہے جائز ہے یا ناجائز، اور واضح رہے کہ اس حصہ اراضی موقوفہ کا لگان سالانہ جس موقوف علیہ کے واسطے مخصوص ہے اُس نے اپنی ضرورت کے واسطے زرپیشگی لیا ہے اور اُسی نے زرپیشگی لینے والے سے معاملت خلو کی ہے اور اُس موقوف علیہ کو اس حصہ موقوفہ پر حق متولیانہ بھی حاصل ہے۔

(۲) صاحب خلو کو یعنی جس کو ایسی اراضی دی گئی ہو اراضی کا لگان یعنی اجر مثل ادا کرکے جو منافع اُس اجر مثل سے زائد ہو، لینا درست ہے یا نہیں؟

(۳) اگر صاحب خلو خود اپنی کاشت کرکے یا اپنی کوشش سے اجر مثل کی آمدنی سے زائد آمدنی اراضی مذکور کے

اپنے مقابضت خلو کے زمانہ میں بڑھادے تو اُس اضافہ کا صاحب خلو مستحق ہے یا نہیں؟

(۴) نمبر ۲ و نمبر ۳ کی صورت بظاہر رہن دخلی کی سی ہے اور رہن دخلی کا منافع سود ہے، پس خلو اور رہن دخلی میں کیا فرق ہوا اور جوازِ خلو کی کیا صورت ہے اور نفسِ خلو کون سا معاملہ ہے اور اس کی کیا تعریف ہے؟

(۵) ایک وقف قدیمہ مشہورہ خاندانی میں اہلِ خاندان موقوف علیہم و متولیان نے ضرورت مصارف ضروریہ وقفی پر آمدنی وقف موجود نہ ہونے کی حالت میں اور مہاجنان سے بوجہ وقف قرضہ نہ ملنے کی وجہ سے اکثر اوقات یہ کیا کہ بعض حصص اراضیات وقف کو زرپیشگی لے کر زرِ مذکور دینے والے کے قبضہ میں دے دی اور دستاویز ٹھیکہ نامہ لکھ دی کہ اس قدر سالانہ لگان اس اراضی کا ٹھیکہ دار اپنے زرپیشگی میں مجرا کرتا رہے اور بعد وصول کل زرپیشگی مذکور ایک حصہ میعاد پر وہ اراضی صاحبِ خلو سے واپس ہوکر متولیان و موقوف علیہم کے قبضہ میں آگئی، اس کارروائی سے منکرین وقف عدمِ وقف کا استدلال کرتے ہیں، یہ استدلال صحیح ہے یا نہیں اور معاملت ٹھیکہ داری مذکور معاملت خلو سے سمجھی جائے گی یا اس کے علاوہ ناجائز سمجھی جائیگی اور ان واقعات و ارتکاب سے وقف کالعدم ہوجائیگا یا باقی رہے گا اور ایسے فعل کا مرتکب قابل تولیت رہے گا یا نہیں، اگر کسی کے مورث نے یہ فعل کیا ہو تو اس کا وارث تولیت پائے گا یا نہیں؟

الجواب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للّٰہ الذی لاخلو لشیئ من کرمہ والصلوٰۃ والسلام علی من وقف علی الکون مواثر کرمہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ المتولین اجراء حکمہ وحکمہ۔

اولاً خلو خود باطل و بے اصل ہے، مذہب حنفی بلکہ نوسو ۹۰۰ برس تک مذاہب اربعہ میں کہیں اس کا پتا نہیں، دسویں صدی میں ایک عالم مالکی المذہب امام ناصر الدین لقانی قدس سرہٗ نے اسے جائز کیا، اسی صدی کے نصف آخر میں صاحبِ اشباہ رحمہ اللہ تعالٰی نے اُسے برخلاف مذہب اعتبار عرفِ خاص پر مبنی قرار دیا، اسی صدی اور اس کے بعد کے محققین مثل شیخ الاسلام علی مقدسی و علامہ حسن شرنبلالی و علامہ محمد آفندی زیرک زادہ و علامہ خیر الملۃ والدین رملی و علامہ سید احمد حموی وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰی نے اسے رَد فرمادیا۔ حاشیۃ الرملی علی الاشباہ میں ہے:

قولہ ویصیر الخلو فی الحانوت حقالہ الخ اقول والفتوی علی خلاف ذٰلک، مقدسی[1]	اس کا قول کہ اور دکانوں میں خلو اس کا حق بن جاتا ہے الخ اقول (میں کہتا ہوں) فتوٰی اس کے خلاف ہے، مقدسی۔ (ت)

---

[1] نزہۃ النواظر علی الاشباہ والنظائر مع الاشباہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۱۴

اسی میں ہے :

قد علمت ان الصحیح خلافہ بقولہ ان المذھب عدم اعتبار العرف الخاص[1]۔

تو معلوم کرچکا ہے کہ صحیح اس کے خلاف ہے اس کے قول سے کہ عرف خاص کا اعتبار نہ ہونا مذہب ہے (ت)

شرح الاشباہ لزیرک زادہ میں ہے :

العرف لایجوز ماکان محظورا فی الشرع و اما بیع الخلو اذا لم یکن ملاصقا بالحانوت فجائز شرعا فانہ حق لمالکہ واما وضعہ فی الحانوت بالاجارۃ مشروع لکن الحانوت اذا کان ملکا یملک صاحبھا خراجہ منہ اذا انقضی مدتہ المعروف و ان لم تکن لہ مدۃ معلومۃ تکون الاجارۃ فاسدۃ وکذا اذا کان الحانوت وقفا قد نص الفقھاء علی انہ لا تجوز الاجارۃ فیہ فوق ثلاث سنین کما فی الوقایۃ فلا اعتبار للعرف سواء کان خاصا او عاما حین وجد النص فی الشرع علی خلافہ وقد مرمنا تحقیقہ فتذکر[2]۔

عرف جب شرعًا ممنوع ہو تو معتبر نہیں، لیکن خلو کی بیع اگر دکانوں سے متعلق نہ ہو تو شرعًا جائز ہے کیونکہ یہ خلو مالک کا حق ہے لیکن یہ دکانوں کے اجارہ میں مشروع ہے مگر دکان اگر کسی کی ملکیت ہو تو معینہ مدت ختم ہوجانے پر مالک ہی آمدن کا حقدار ہوگا اور اگر مدت معین نہ ہو تو یہ اجارہ فاسد ہوگا اور یونہی اگر دکان وقف ہو تو بھی وہ اجارہ فاسد ہوگا کیونکہ فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ وقف کا اجارہ تین سال سے زائد جائز نہیں جیسا کہ وقایہ میں ہے، لہذا جب کوئی عرف شرعی نص کے خلاف ہو خواہ عرف عام ہو یا خاص، تو اس کا اعتبار نہ ہوگا، اس میں ہماری تحقیق گزرچکی ہے، اسے یاد کرو۔ (ت)

اسی میں اس سے ایک ورق قبل ہے :

انما یعتبر العرف والعادۃ فیما لم یرد نص الشرع علی خلافہ وسینقل فی السطر الثالث بعدھا ان الودیعۃ والعین المؤجرۃ غیر مضمونتین بحال فلا یعتبر فیہ العرف بعد النص علی خلافہ من الفقھاء[3] اھ

وہی عرف اور عادت معتبر ہے جس کے خلاف شرعی نص نہ ہو، اس کے بعد تیسری سطر میں نقل کریں گے کہ امانت اور کرایہ پر دی ہوئی عین چیز کسی حال میں مضمون نہیں ہوتی لہذا اس کے ضمان پر عرف ہو تو اس کے خلاف فقہاء کی نص ہونے کی وجہ سے یہ عرف معتبر نہیں ہوگا اھ،

[1] نزہۃ النواظر علی الاشباہ والنظائر مع الاشباہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی (۲) ۱۵/۲

[2] شرح الاشباہ لزیرک زادہ

[3] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍

وھذا ما اشار الیہ بقولہ وقد مر منا تحقیقہ۔

یہ وُہ عبارت ہے جس کے متعلق انھوں نے اشارہ کرتے ہوئے کہا "اور ہماری تحقیق اس میں گزری ہے۔(ت)

غمز العیون میں ہے:

(قولہ علی اعتبارہ (ای العرف الخاص) ینبغی ان یفتی بان ما یقع فی بعض اسواق القاھرۃ من خلو الحوانیت لازم ویصیر الخلو حقالہ قیل علیہ کیف ینبغی ان یفتی بہ مع کونہ مخالفا لقواعد الشرع الشریفۃ انتھی وقال شیخنا (یرید العلامۃ الشرنبلالی رحمھما اللہ تعالٰی) فی رسالتہ "مفیدۃ الحسنی" بعد نقل کلام المصنف رحمہ اللہ تعالٰی قولہ ینبغی الخ مما لاینبغی فانہ لامماثلۃ بین ما اعتبر من المسائل المبنیۃ علی العرف الخاص وبین الخلو لان اعتبار العرف الخاص علی ما قیل بہ فی جمیع تلک المسائل ضررھا التزم بہ فاعلھا مختار النفسہ او مقتصرا فی استیفاء شرط یمنع عنہ الضرر واما الوقف فناظرہ لایملک اتلافہ ولا تعطیلہ وقد ثبت ان المذھب عدم اعتبار العرف الخاص[1]۔

قولہ علی اعتبارہ یعنی عرفِ خاص کے اعتبار پر، یہ فتوٰی مناسب ہوگا کہ قاہرہ کے بازاروں میں جو دکانوں کا خلو ہے وُہ لازم ہو اور خلو اس کا حق بن جائے، اس پر اعتراض ہے کہ یہ فتوٰی کیسے مناسب ہوگا جبکہ یہ شرع شریف کے قواعد کے خلاف ہے اھ، اور ہمارے شیخ (ان سے مراد علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ہیں) نے اپنے رسالہ مفیدۃ الحسنٰی میں مصنف رحمہ اللہ تعالٰی کا کلام نقل کرنے کے بعد فرمایا قولہ ینبغی مناسب ہے الخ، یہ غیر مناسب ہے کیونکہ عرف خاص میں معتبر مسائل جو بیان ہُوئے ان میں اور خلو میں کوئی مماثلت نہیں ہے کیونکہ عرف خاص والے تمام مسائل میں یہ اعتبار ہے کہ ان میں ضرر والی چیز کو خود فاعل نے اپنے لئے پسند کیا ہے یا ضرر سے مانع شرط کو پورا کرنے میں اقتصار کیا ہے لیکن وقف کا ناظر تو اس میں کسی چیز کے تلف یا معطل کرنے کا مالک نہیں ہے اور جبکہ یہ ثابت ہوچکا ہے کہ عرفِ خاص کا اعتبار نہ کرنا مذہب ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

قد اشتھر نسبۃ مسئلۃ الخلو الی مذھب

مسئلہ خلو کی نسبت عالمِ مدینہ حضرت مالک بن انس

---

[1] غمز العیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر مع الاشباہ الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۵

عالم المدینة مالك بن انس رضی الله تعالٰی عنه والحال ان لیس فیها نص عنه ولا عن احد من اصحابه، حتی قال البدر العراقی (المالکی) انه لم یقع فی کلام الفقهاء التعرض بمسئلة الخلو فیما اعلم وانما فیها فتیا للعلامة ناصر الدین اللقانی بناها علی العرف[1] الخ۔

رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف مشہور ہے حالانکہ ان کی اور ان کے کسی شاگرد کی اس میں تصریح نہیں ہے، بدر العراقی مالکی نے فرمایا ہے کہ میرے علم کے مطابق خلو کا مسئلہ فقہاء کے کلام میں مذکور نہیں، اس میں صرف علامہ ناصر الدین لقانی کا فتوٰی ہے جس کو انھوں نے عرف پر مبنی قرار دیا ہے الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

للعلامة الشرنبلالی رسالة رد فیها علی الاشباه بان الخلو لم یقل به الا متأخر المالکیة (حتی افتی بصحة وقفه ولزم منه ان اوقاف المسلمین صارت للکافرین بسبب وقف خلوها علی کنائسهم وبان عدم اخراج صاحب الحانوت لصاحب الخلو یلزم منه حجر الحر المکلف عن ملکه واتلاف ماله بل لایجوز هذا فی الوقف وفی منع الناظر من اخراجه تفویت نفع الوقف وتعطیل ماشرطه الواقف اھ ملخصا قلت وما ذکره حق خصوصا فی زماننا هذا[2]۔

علامہ شرنبلالی کا ایک رسالہ ہے جس میں الاشباہ کا رُد کیا ہے اور کہا ہے کہ خلو کا قول ایک مالکی متاخر عالم کے سوا کسی نے نہیں کیا اس نے یہ فتوٰی تک دے دیا کہ اس کا وقف صحیح ہے حالانکہ اس فتوٰی سے لازم آتا ہے کہ مسلمانوں کے وقف کافروں کو منتقل ہوجائیں اس سبب سے کہ وہ خلو کو اپنے گرجوں کے لئے وقف کردینگے اور دُکان کا مالک جب خلو والے کو اپنی دکان سے بیدخل نہ کرسکے گا تو لازم آئے گا کہ آزاد مکلف شخص اپنی ملکیت سے ممنوع ہوجائے اور اس کا مال تلف ہوکر رہ جائے بلکہ یہ سب کچھ وقف میں جائز نہیں ہے اور وقف کے نگران کو خلو والے کی بے دخلی سے منع کرنا وقف کے منافع کو ضائع کرنا اور واقف کی لگائی ہُوئی شرط کو معطل کرنا ہے اھ ملخصا، اقول (میں کہتا ہوں) انھوں نے جو فرمایا ہے وُہ حق ہے خصوصًا ہمارے زمانے میں۔ (ت)

ثانیًا صُورتِ سوال کو خلو سے بھی کچھ علاقہ نہیں۔ خلاصہ تحقیق و تنقیح پر جو بتوفیق اللہ تعالٰی ہم نے اپنی تعلیقات ردالمحتار میں کی یہ ہے کہ مکان یا دکان یا زمین کا مستاجر اپنا اجارہ ہمیشہ باقی رکھنے کو اُس میں اپنے

---

[1] غمز العیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر مع الاشباہ الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۷

[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶

مال سے نہ اپنے لئے بلکہ اُسی شئی متاجرسے الحاق اور اس کی حیثیت بڑھاتے اُس کے فوائد کی تکمیل کے واسطے کچھ زیادت کرے خواہ متصل باتصال قرار، یا بے اس کے جیسے عمارت یا کنواں یا روشنی کا سامان یا پانی کے نل، وامثال ذلک، یا خود نہ کرے موجر کو اس کے روپے دے جو اُجرت کے علاوہ ہوں اس مال کے مقابل جو اسے ابقائے اجارہ کا حق ملتا ہے اس کا نام خلو ہے۔ رسالہ تحریر العبارۃ للعلامۃ الشامی میں ہے:

قال العلامۃ الشامی فی رسالتہ "تحریر العبارۃ فیمن ھو احق بالاجارۃ" (تنبیہ) قد یثبت حق القرار بغیر البناء والغرس بان تکون الارض معطلۃ فیستاجرھا من المتکلم علیہا لیصلحہا للزرعۃ ویحرثہا ویکسبھا وھو المسمی بمشد المسکۃ فلا تنزع من یدہ مادام یدفع ما علیہا من القسم المتعارف کالعشر ونحوہ واذا مات عن ابن توجہ لابنہ فیقوم مقامہ فیہا، و قد رأیت بخط شیخ مشائخنا خاتمۃ الفقہاء الشیخ ابراھیم السائحانی الغزی المسکۃ عبارۃ من استحقاق الحراثۃ فی ارض الغیر و ذکر فی الحامدیۃ انہا لا تورث وانما توجہ للابن القادر علیہا دون البنت اھ[1]، ثم افاض فی بیان الکردار والسکنی والجدک وانہا اعیان قائمۃ فی الارض الی ان قال وھذا غیر

علامہ شامی نے اپنے رسالہ "تحریر العبارۃ فیمن ھو احق بالاجارۃ" میں فرمایا (تنبیہ) کبھی تعمیر اور پودے لگائے بغیر حقِ استقرار ثابت ہوتا ہے مثلاً یوں کہ کوئی زمین خالی پڑی ہو تو کسی خواہشمند کو اجارہ پر دی جائے تاکہ وہ اس کو زراعت کے لئے تیار کرے اور اس کو کاشت کرکے آباد کرے جس کو مشد المسکہ کہا جاتا ہے تو یہ زمین اس کاشتکار سے اس وقت تک واپس نہ لی جائے گی جب تک وہ اس کا متعارف محصول مثلاً عشر وغیرہ دیتا رہے اور اگر وہ کاشت کار کوئی بیٹا چھوڑ کر فوت ہو جائے تو یہ کاشتکاری کا حق اس کو منتقل ہو جائے گا اور وہ بیٹا اپنے باپ کے قائم مقام قرار پائے گا، میں نے اپنے شیخ المشائخ خاتمۃ الفقہاء الشیخ ابراہیم السائحانی الغزی کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ "مسکہ" غیر کی زمین میں کاشتکاری کے استحقاق کا نام ہے اور حامدیہ میں ذکر کیا ہے کہ اس استحقاق میں وراثت نافذ نہ ہوگی بلکہ صرف کاشت کاری پر قادر بیٹے کو یہ حق منتقل ہوگا اور بیٹی کو استحقاق نہ ہوگا، اھ، پھر انہوں نے کرایہ داری، سکنیٰ اور جدک کی وضاحت میں فرمایا کہ یہ زمین میں باقی رہنے والے امور ہیں، آگے

---

[1] تحریر العبارۃ فیمن ھو احق بالاجارۃ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۳ - ۱۵۲

الخلو الذی ذکرہ فی الاشباہ فانہ بمنزلۃ مشد المسکۃ المار وھو وصف لا عین قائمۃ فلا یجوز بیعہ ولا یورث وانما ینتقل الی الولد بطریق الاحقیۃ کما مر وماذکرہ فی الاشباہ من جواز بیع الخلو ردوہ علیہ، وقد الف فی ردہ العلامۃ الشرنبلالی رسالۃ خاصۃ[1] اھ کلام الشامی ملتقطا۔

یہاں تک فرمایا کہ یہ امور اس خلو کا غیر ہیں جس کا ذکر الاشباہ میں کیا ہے کیونکہ یہ مشد المسکہ کی طرح ہے جس کا بیان پہلے گزرا ہے اور وہ خلو ایک وصف ہے جو باقی رہنے والی عین چیز نہیں ہے تو مشد المسکہ کی بیع ناجائز ہے اور وہ قابلِ وراثت نہیں ہے اور صرف وہ بیٹے کو حقدار ہونے کی وجہ سے منتقل ہوتا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اور الاشباہ میں خلو کی بیع کا جو جواز مذکور ہوا فقہاءِ کرام نے اس کو رَد کیا ہے اور علامہ شرنبلالی نے ایک خاص رسالہ اس کے رَد میں تالیف کیا ہے۔ علامہ شامی کا کلام ملتقطاً ختم ہوا۔

اقول ومن الدلیل القاطع علی کون الخلو معنی لا عینا انہ لما استدل محمد بن ھلال الحنفی علی جواز الخلو بما فی جامع الفصولین وغیرہ عن الذخیرۃ والکبری والخانیۃ والخلاصۃ وواقعات الضریری اشتری سکنی وقف فقال المتولی ما اذنت لہ بالسکنی فامرہ بالرفع فلو اشتراہ بشرط القرار فلہ الرجوع علی بائعہ والا فلا یرجع علیہ بثمنہ ولا بنقصانہ[2] اھ رموہ عن قوس واحدۃ انہ لم یفھم معنی السکنی لان المراد بھا عین مرکبۃ

اقول (میں کہتا ہوں) خلو کے ایک معنوی چیز ہونے اور عین شَی نہ ہونے پر قاطع دلیل یہ ہے کہ جامع الفصولین وغیرہ میں ذخیرہ، کبرٰی، خانیہ، خلاصہ اور واقعات ضریری سے منقول ہے اس بیان سے، کہ کسی نے وقف سکنٰی خریدا تو متولی نے کہا کہ میں اس سکنٰی کی اجازت نہیں دیتا اور وہاں سے سکنٰی ختم کرنے کا اس نے حکم دیا تو اگر اس خریدار نے وہ سکنٰی برقرار رہنے کی شرط پر خریدا تھا تو (متولی کے اس اقدام پر) وہ فروخت کرنے والے پر اپنے نقصان میں رجوع کرسکتا ہے ورنہ وہ اپنی لاگت اور نقصان میں بائع پر رجوع نہیں کرسکتا اھ، جب محمد بن ہلال حنفی نے خلو کے جواز پر استدلال کیا، تو سب نے

---

[1] تحریر العبارۃ فیمن ھو احق بالاجارۃ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۵۵
[2] جامع الفصولین الفصل السادس عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۲۱-۲۲
نزہۃ النواظر علی الاشباہ والنظائر مع الاشباہ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۵۰-۵۱

فی الحانوت وھی غیر الخلو ففی الخلاصۃ اشتری سکنی حانوت فی حانوت رجل مرکبا[1] الخ کما فی رد المحتار عن العلامۃ الشرنبلالی قال ثم نقل عن عدۃ کتب ما یدل علی ان السکنی عین قائمۃ فی الحانوت[2]۔

ایک ہی انداز سے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ محمد بن ہلال کو سکنٰی کا معنی سمجھ نہیں آیا، کیونکہ سکنٰی سے مراد دکان میں لگائی ہوئی عین موجود چیز ہے اور وہ خلو کا مغایر ہے، تو خلاصہ میں یُوں ہے کہ ایک شخص کی دکان میں مرکب سکنٰی حانوت ہو الخ، جیساکہ ردالمحتار میں علامہ شرنبلالی سے نقل کرتے ہوئے کہا، انھوں نے پھر متعدد کتب سے نقل کیا کہ سکنٰی، دکان میں قائم رہنے والی ایک موجود عین چیز ہوتی ہے۔

قلت وقد نقلہ فی العقود الدریۃ وفی رسالتہ المذکورۃ عن التجنیس ثم نفس العبارۃ المستدل بھا منادیۃ بذلك اعلٰی نداء کما اوضحہ السید الحموی مع عناہ عن الایضاح اذ قال بعد نقل کلام العمادی اذا ادعی سکنی دار او حانوت وبین حدودہ لایصح لان السکنی نقلیا فلا یحد وذکر رشید الدین فی فتاواہ وان کان السکنی نقلیا لکن لما اتصل بالارض اتصال تابید کان تعریفہ بما بہ تعریف الارض لان السکنی مرکب فی البناء ترکیب قرار فالتحق بما لایمکن نقلہ اصلا اھ

قلت (میں کہتا ہُوں) انھوں نے اس کو عقود دریہ میں اور اپنے مذکورہ رسالہ میں تجنیس سے نقل کیا، پھر استدلال کرنے والے کی نفسِ عبارت بھی واضح طور پر اس کا اعلان کر رہی ہے جیساکہ اس کو سید حموی نے واضح کیا حالانکہ وضاحت کی ضرورت نہ تھی، جہاں انھوں نے عمادی کا کلام نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی شخص گھر یا دکان کا سکنٰی دعوٰی کرکے اس کی حدود کو بیان کرے تو اس کا یہ دعوٰی درست نہ ہوگا کیونکہ سکنٰی ایک منتقل ہونے والی چیز ہے اس لئے اس کی حدبندی نہیں ہوسکتی، رشید الدین نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے کہ اگرچہ سکنٰی منتقل ہونے والی چیز ہے لیکن جب وہ کسی خطہ زمین سے پختہ اتصال کرے تو پھر اس کی تعریف زمین کی تعریف کی طرح ہوگی کیونکہ سکنٰی عمارت کے ساتھ استقرار والی ترکیب حاصل

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶
[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶

مانصه فظهرلك بهذا ان السكنى هو مايكون مركبا فی الحانوت متصلا به فهو اسم عين لا اسم معنى كما فهمه البعض وليس فی كلامهم مايفيد ما توهمه هذا البعض، الاترى تمام العبارة الذی نص فيها علی حقيقة السكنى انه شیئ مركب يرفع فهل يستفاد من هذا المعنى المعبر عنه بالخلو ايظن ان الخلو يرفع ثم يرد علی بائعه ويقال لو اشتراه بشرط القرار يرجع علی بائعه بثمنه و يرد عليه والا فلا يرجع عليه بثمنه ولا نقصانه الحاصل بالقلع من الدكان، سبحٰنك هذا بهتان عظيم[1] اھ كلام الحموی فتبين ان الخلو وصف معنوی لاعين تقلع او ترفع وتنقل۔

کرلیتا ہے تو اس کا شمار بھی ان چیزوں میں ہوجاتا ہے جو بالکل قابلِ انتقال نہیں ہوتیں، اس کی عبارت ختم ہوئی، تو اس بیان سے آپ پر واضح ہوگیا کہ سکنٰی کا دکان کے ساتھ ترکیبی اتصال ہوتا ہے لہٰذا وہ ایک موجود عین چیز ہے نہ کوئی معنوی وصف ہے جیسا کہ بعض نے خیال کیا ہے جبکہ اس کے اس خیال کے لئے کسی کا کلام مفید نہیں ہے، سکنٰی کی حقیقت بیان کرنے والے کی پُوری عبارت آپ دیکھ نہیں رہے کہ انھوں نے کہا ہے سکنٰی ایک ایسی چیز ہے جو مرکّب ہوتی ہے جسے ختم کیا جاسکتا ہے کیا اس سے یہ خلو کا معنٰی سمجھا جاسکتا ہے جس سے یہ گمان کیا جاسکے کہ خلو کو ختم کیا جائے پھر وُہ بائع پر واپس لوٹا دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ اگر خلو کو استقرار کی شرط پر خریدا ہو تو بائع سے رجوع کرکے رقم واپس لی جائے اور خلو کو واپس کردے ورنہ رقم واپس نہ لے اور دکان کو اکھاڑنے سے جو نقصان ہُوا وہ واپس نہ لے، سبحان اللہ! یہ تو بہتانِ عظیم ہے، حموی کا کلام ختم ہوا، تو واضح ہوگیا کہ خلو ایک معنوی وصف ہے اور سکنٰی کی طرح باقی رہنے والی مستقل چیز نہیں جس کو اکھاڑا یا ہٹایا یا ختم کیا جاسکے۔

اقول لكن فی حاشية السيدين العلامتين ط وش علی الدر عن حواشی الاشباه للعلامة السيد ابی السعود رحمهم الله تعالیٰ ان الخلو

اقول (میں کہتا ہوں) لیکن علامہ طحطاوی اور علامہ شامی دونوں قابلِ احترام حضرات نے دُر پر اپنے حواشی میں علامہ سید ابوسعود (رحمہم اللہ تعالٰی) سے نقل کرتے ہوئے فرمایا، کہ، خلو کا اطلاق متصل

---

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۷-۱۳۶

یصدق بالعین المتصل اتصال قرار و
بغیرہ والمراد بالمتصل اتصال قرار ماوضع
لا لیفصل کالبناء ، وبالمتصل لا علی وجہ
القرار کالخشب الذی یرکب بالحانوت لوضع
عدۃ الحلاق مثلا فان الاتصال وجد
لکن لا علی وجہ القرار و کذا یصدق
بمجرد المنفعۃ المقابلۃ بالدراھم اھ[1] و
زاد ط عنہ قبل ھذا اعلم ان الخلو
یصدق بما اتصال بالعین قرار اتصال کالبناء
بالارض المحتکرۃ و یصدق بالدراھم
التی تدفع بمقابلۃ التمکن من استیفاء
المنفعۃ اذ ما ذکرہ المصنف یعنی صاحب
الاشباہ من ان السلطان الغوری
لما بنی حوانیت الجملون اسکنھا للتجار
بالخلو وجعل لکل حانوت قدرا اخذہ
منھم الخ صریح فی ان الخلو فی حادثۃ
السلطان الغوری عبارۃ عن المنفعۃ
المقابلۃ للقدر الماخوذ من التجار فیرجع
الی ما ذکرہ العلامۃ الاجھوری من ان
الخلو اسم لما یملکہ دافع الدراھم
من المنفعۃ التی دفع الدراھم بمقابلتھا
وعلی ھذا فلا یکون الخلو خاصا
بالمتصل بالعین اتصال قرار بل

استقراری عین چیز اور غیر استقراری دونوں پر ہوتا ہے
اور متصل استقراری سے مراد وُہ چیز ہے جو عمارت
میں باقی رکھنے کیلئے لگائی ہو اور متصل غیر استقراری سے
مراد مثلاً لکڑی جیسی کوئی چیز جس کو دکان میں لگا کر حجام کے سامان
رکھنے کیلئے خانے بنائے جائیں یہ بھی اتصال ہے لیکن یہ علٰی وجہ
الاستقرار نہیں ہوگا اور یوُں ہی قراری اور غیر قراری
کا مصداق وہ منفعت بھی بنتی ہے جو دراہم کے عوض
حاصل کی جاتی ہے اھ ، اور علامہ طحطاوی نے اس سے
قبل علامہ ابوسعود سے یہ زائد نقل کیا ہے کہ واضح رہے
کہ خلو کا اطلاق کسی عین چیز کے ساتھ متصل ہونے والی
چیز پر ہوتا ہے جیسے عمارت کسی کرایہ کی زمین پر ہو، اور
کسی منفعت کو دراہم کے بدلے حاصل کرنے کی قدرت
پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے ، اور مصنف یعنی صاحب
اشباہ نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ سلطان غوری نے جب
جملون کی دکانیں تعمیر کرائیں تو انھوں نے وہاں تجار کو
خلو کے طور پر سکنٰی دیا اور ہر دکان کا کچھ بدل مقرر کرکے
ان سے وصول کیا الخ ، سلطان غوری کا یہ واقعہ صریح
ہے کہ خلو اس منفعت کا نام ہے جو تجار حضرات سے
وصول کردہ کا بدل ہے تو یہ علامہ الاجہوری کے اس
بیان کی طرف راجع ہے کہ خلو اس منفعت کا نام ہے
جس کا دراہم دینے والا دراہم کے بدلے مالک بنتا ہے
اور اس بنا پر خلو ، استقراری اتصال والی عین چیز سے
خاص نہیں ہے بلکہ اس پر اور غیر استقراری پر بھی

لہ ردالمحتار کتاب البیوع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷

يصدق به وبغيره[1] الخ فهذا يفيد ان من
الخلو ماهو عين قائمة كالبناء والخشب
المركب الا ان نقول السيد الازهرى
لم يقل الخلو يصدق على العين المتصل
وانما قال يصدق بالعين وذلك ان
يدفع صاحب الخلو دراهم للواقف
مثلا ليبنى فى الوقف للوقف ويكون له
بازائه منفعة استبقاء الاجارة فالخلو
هو هذا المعنى لا العين، نعم
صدقه بسبب العين وبهذا يفسر
ما فسر به الاجهورى الخلو فالمنفعة هى
حق الاستبقاء كما افاده السيد ابو السعود
بقوله تدفع بمقابلة التمكن من
استيفاء المنفعة فهذا التمكن هو المراد
بالمنفعة فى تفسير الاجهورى لكن
نقل السيد الحموى فى الغمز عن
فاضل متأخر مالكى انه قال
بعد كلام العلامة نور الدين
على الاجهورى المذكور
ظاهره سواء كانت تلك المنفعة
عمارة كأن يكون فى الوقف اماكن
آئلة الى الخراب فيكريها ناظر الوقف
لمن يعمرها، ويكون ماصرفه

صادق آتا ہے الخ، تو یہ بیان اس بات کو مفید ہے کہ
خلو، قائم رہنے والی عین چیز مثلاً عمارت اور عمارت
پر لگی ہوئی لکڑی دونوں کا نام ہے، الا یہ کہ ہم
سید ازہری کے متعلق یہ کہیں کہ انھوں نے خلو کا صدق
متصل عین پر نہیں کیا بلکہ عین چیز کے عوض پر کیا ہے،
یہ یوں کہ خلو والا شخص واقف کو کچھ دراہم دے کر کہے کہ
ان سے وقف میں وقف کے اضافہ کے لئے کچھ تعمیر
کرے اور اس کے عوض اس کے لئے اجارہ کی
منفعت کو باقی رکھنا ہوگا تو خلو اس معنی کا نام ہوگا
خاص عین چیز کا نام نہ ہوگا، ہاں اس معنیٰ پر اس کا
صدق عین چیز کے سبب سے ہوا، خلو کی جو تفسیر
علامہ اجہوری نے کی اس کو اسی تفسیر پر محمول کیا جائیگا
تو منفعت سے مراد وہاں یہی اجارہ کے حق کی بقاء کا
مطالبہ ہے جیسا کہ علامہ ابو سعود نے اپنے قول "دراہم،
منفعت کو پُورا کرنے کی قدرت کے مقابلہ میں دئے جائیں"
سے افادہ فرمایا، علامہ اجہوری کی تفسیر میں منفعت سے
یہی تمکن مراد ہے، لیکن سید حموی نے غمز میں ایک
مالکی متاخر فاضل سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ انھوں
نے علامہ اجہوری کے مذکور کلام پر علامہ نور الدین کے
حاشیہ کو نقل کرنے کے بعد فرمایا اجہوری کے کلام سے
ظاہر ہے کہ منفعت عمارت ہو کہ وقف کی عمارت کا
کوئی حصہ خراب ہو رہا ہو تو اسے وقف کا ناظم کسی
ایسے شخص کو کرایہ پر دے دے جو اس کی تعمیر کرکے خرچ

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب البیوع دار المعرفت بیروت ۳/۱۰

خلواله ویصیر شریکا للواقف بما زادته عمارته او کانت المنفعة غیر عمارة کوقید مصباح مثلا ولوازمه لا خصوص العمارة خلافا لمن خص المنفعة بها دون غیرها اذ المعتبر انما هو عود الدراهم لمنفعته فی الوقف عمارة کانت او غیرها اھ[1]

کے بدلے اپنے لئے خلو بنالے اور زائد عمارت میں وہ حصہ دار بن جائے یا وہ منفعت غیر عمارت ہو مثلاً چراغ کے لئے کوئی خانہ اور اس کے لوازمات بنالے جو عمارت سے متعلق ہو نہ کہ خاص عمارت، یہ عام معنیٰ اس شخص کے برخلاف ہے جو خلو کو صرف منفعت سے مختص کرتا ہے، یہ اس لئے کہ خلو دراہم کا بدل ہے خواہ وہ عمارت ہو یا کوئی اور چیز ہو۔

اقول فهذا نص فی ان نفس العمارة خلو ولا یمکن تاویله بما ذکرنا فی کلام السید الازهری ان المراد ان یعمرها للوقف لا لنفسه کیف وانه فسر به المنفعة الواقعة فی تفسیر العلامة الاجهوری وهو یقول اسم لما یملکه دافع الدراهم من المنفعة الخ[2] الا ان یجعل من هذه للتعلیل والمنفعة الاٰئلة الی الوقف وتنقسم الی عمارة وغیرها فیکون ما یملکه هو التمکن من استبقاء الاجارة لاجل تلك المنفعة التی اوصلها الی الوقف لکن یکدر رد قول الاجهوری فی مقابلتها فان دفعه الدراهم انما هو بمقابلة ذلك التمکن

اقول (میں کہتا ہوں) یہ مذکورہ کلام اس بات میں صریح نص ہے کہ خلو صرف عمارت کا نام ہے، اس کی وہ تاویل جو ہم نے سید ازہری کے کلام میں کی ہے ممکن نہیں کہ وہ وقف کا اضافہ ہو، ذاتی ملکیت نہ ہو، یہ تاویل کیونکر ممکن ہوگی جبکہ وہ یہ بات علامہ اجہوری کی اس کلام کی تفسیر میں کہہ رہے ہیں جس میں اس نے کہا ہے کہ خلو اس منفعت کا نام ہے جس کا وہ دراہم کے عوض میں مالک بنتا ہے الخ۔ الّا یہ کہ ہم "من المنفعۃ" کے مِن کو تعلیل کے لئے قرار دیں اور منفعت سے مراد وہ منفعت ہو جو وقف کے حق میں ہو، تو خلو عمارت اور غیر عمارت دونوں پر منقسم ہو جائے تو اجارہ کی بقا کے حق کا وہ مالک اس منفعت کے عوض ہوگا جس کو اس نے وقف میں شامل کیا ہے، لیکن اجہوری کا یہ قول کہ "دراہم منفعت کے مقابل ہیں" رَد ہو جائیگا کیونکہ اس کے دراہم اجارہ کے دوام کے

---

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۳۷

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۳/۱۰

لا بدل تلك المنفعة الآئلة الى الوقف و انما هى حاصلة للوقف لا له بتلك الدراهم فلا مخلص الا ان يقال ان هذا كلام متأخر من المالكية فيكون الخلو عندهم شاملا للعين والمعنى وعندنا ليس الا المعنى والعين يسمى باسم أخر كالسكنى كيف و قد قال هذا المالكى بعده اما كونه اجارة لازمة فهذا لا نزاع فيه (اى عندهم) ووجهه ان الواقف لما يريد ان يبنى محلا للوقف فيأتى له اناس يدفعون له دراهم على ان يكون لكل شخص محل من تلك المواضع التى يريد الواقف بناءها فاذا قبل منهم تلك الدراهم فكانه باعهم تلك الحصة بما دفعوه له وكانه لم يقف جزء من تلك الحصة التى لكل، وغايته انه وظف عليهم كل شهر كذا فليس للواقف فيه بعد ذلك تصرف الا بقبض الحصة الموظفة فقط وليس له ان يوجهه لغيره وكان رب الخلو صار شريكا للواقف فى تلك الحصة اھ[1]

مقابل ہیں نہ کہ وقف کے لئے منافع کے مقابل ہونگے، وقف کے منافع تو صرف وقف کے لئے ہیں، دراہم دینے والے کے لئے دراہم کا بدل نہیں تو اس عبارت کا کوئی مخلص نہیں سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ یہ مالکی حضرات کا آخری کلام ہے تو ان کے ہاں خلو، عین اور معنیٰ دونوں کو شامل ہے اور ہمارے ہاں خلو صرف معنیٰ کا نام ہے اور عین چیز کا ہمارے ہاں کوئی اور نام ہے مثلاً اسے سکنیٰ کہا جائے گا اس حقیقت کا انکار کیسے ہو سکتا ہے جبکہ خود اس مالکی فاضل نے اس کے بعد کہا اس خلو کا اجارہ لازمہ ہونے میں نزاع نہیں (یعنی مالکیوں کے ہاں) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب واقف نے کوئی تعمیر وقف میں کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے پاس لوگ آکر دراہم پیش کریں اور کہیں کہ ہم اس حصہ میں اپنے لئے مخصوص خطہ تعمیر کریں گے تو جب واقف ان سے دراہم اس شرط پر قبول کرلے گا تو گویا اس نے یہ حصہ ان لوگوں کو معاوضہ پر فروخت کردیا اور گویا اس نے ہر ایک کا مخصوص خطہ وقف سے مستثنیٰ کردیا اور نتیجتاً اس نے ہر ایک پر ماہانہ شرح سے کچھ وظیفہ مقرر کردیا تو اس کے بعد اب واقف کو اس حصہ میں کسی تصرف کا حق نہ رہا ماسوائے اس کے کہ وہ فقط مقررہ وظیفہ وصول کرتا رہے اور اب وہ حصہ کسی دوسرے کو دینے کا مجاز نہ ہوگا گویا کہ خلو والا ہر شخص اس حصہ میں واقف کے ساتھ شریک قرار پائے گا اھ،

---

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۸-۱۳۷

فقد جعل الخلو عقارا اوجزء من تلك الارض مبيعا من هؤلاء مستثنی من الوقف ، ولذا قال وفائدۃ الخلو انه کالملك فتجری علیه احکامه من بیع واجارۃ وھبة ورھن ووفاء دین وارث ووقف الخ [1]۔

تو یُوں اس فاضل نے خلو کو مکانیت سے تعبیر کیا اور وقف شدہ زمین کا ایک حصہ ان لوگوں کے ہاتھ فروخت کرکے وقف سے خارج قرار دیا اور اسی لئے اس نے کہا کہ خلو کا فائدہ یہ ہوگا کہ وُہ مملوکہ جگہ کی طرح ہوگا اور اس میں ملکیت کے احکام، بیع، اجارہ، ہبہ، رہن، قرض میں منہا کرنا، وراثت اور وقف جاری ہوں گے الخ،

اقول ثم فی کلام ذلك الفاضل المالکی خدشة اخری فانه جعل العمارۃ خلوا وقال فی بیانه یکون ما صرفه خلوا له وانما المصروف الدراھم ھذا و **بقی** ما اسلفناہ عن افندی زیرك زادہ من بیع الخلو اذا لم یکن ملاصقا بالحانوت وان وضعه فی الحانوت بالاجارۃ مشروع [2]۔

اقول (میں کہتا ہوں) اس مالکی فاضل کے کلام میں ایک اور خرابی ہے کہ یہاں اس نے عمارت کو خلو کہا ہے جبکہ پہلے وُہ اپنے بیان میں کہہ چکا ہے کہ جو مال صرف کیا ہے وہ خلو ہوگا، حالانکہ جو صرف کیا ہے وہ دراہم ہیں عمارت نہیں ہے، یہ قابلِ توجہ ہے۔ زیرک زادہ آفندی سے جو ہم پہلے ذکر کرآئے ہیں اس میں ایک امر باقی ہے کہ انھوں نے کہا ہے جب خلو دکان سے ملصق نہ ہو اور ویسے کرایہ کی دکان میں کھا ہو تو اس کی بیع جائز ہے۔

اقول احسن ما یعتذر عنه انه اطلق علیه اسم الخلو تجوزا او ان الخلو یطلق علیھما وان ما کان منه عینا مملوکة لصاحب الخلو فلا کلام فی جواز بیعه بل ووقفه ان تعورف وکانت الارض موقوفة او محتکرۃ والذی حدث وانکرہ المحققون ھو الخلو بمعنی المعنی واللّٰه

اقول (میں کہتا ہوں) ان کی طرف سے بہترین تاویل یہ ہوگی کہ انھوں نے اس علیحدہ چیز کو مجازاً خلو کہا ہے یا یہ کہ خلو کا اطلاق دونوں صورتوں پر کیا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ خلو والے کی کوئی مملوک عین چیز ہو تو اس کے فروخت کرنے بلکہ عرف میں وقف کی صورت ہو تو وقف کرنے کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے جبکہ زمین وقف یا کرایہ کی رہے گی وہ چیز جو نئی ہے اور محققین نے اس کا انکار کیا ہے وُہ

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۳۸

تعالٰی اعلم و به یحصل التوفیق بین کلامی ابن بلال و الرادین علیه بان کلامه فی العین القائمة و لا شك ان الاستشهاد علیه بفرع السکنی صحیح اذن لایرد علیه شیئ مما ذکروا و کلامهم فی المعنی المعروف فلا خلف ان ساعده کلام ابن بلال فی رسالته والعلم بالحق عند علام الغیوب ثم من العجب قول العلامة المنقح فی العقود الدریة الخلو عبارة عن القدیمة ووضع الید[1] اھ **اقول** سبحٰن اللہ مجرد کونه واضع یده منذ زمان وھو المعبر عنه فی المبتدعات قانون النصاری بحق موروثی کیف یصیر حقا وکیف یسوغ ان یقول به و بجواز بیعه احد وقد قدم المنقح نفسه قبیل ھذا مانصه، واما ما فی القنیة یثبت حق القرار فی ثلاثین سنة فی الارض السلطانیة والملك ، و فی الوقف فی ثلاث سنین ولو باع حق قرارہ فیھا جاز ، وفی الھبة اختلاف ولو ترکھا بالاختیار تسقط قدمیته ، حاوی الزاھدی اھ فالمراد به الاعیان

خلو معنوی ہے ، اس تاویل سے ابن بلال اور اس کا رَد کرنے والوں کے کلاموں میں موافقت ہوجائیگی کہ ابن بلال کی گفتگو قائم رہنے والی عین چیز کے متعلق ہے اور اب اس پر سکنٰی کے طور پر تفریع بلاشک درست ہوگی اور کوئی اعتراض نہ رہے گا ، اور معترضین کا کلام خلو کے معروف معنی کے متعلق ہے لہذا کوئی مخالفت نہ رہی بشرطیکہ ابن بلال کی اپنے رسالہ میں گفتگو اس تاویل کا ساتھ دے ، حقیقت کا علم تو اللہ تعالٰی علام الغیوب کے ہاں ہے ۔ پھر عقود الدریہ میں تنقیح کرنے والے علامہ کا یہ قول عجیب ہے کہ خلو قدیم دخل اور قبضے کا نام ہے اھ **اقول** (میں کہتا ہوں) سبحٰن اللہ کچھ زمانہ سے محض قابض ہونے جس کو نصارٰی کے قانون میں موروثی حق کہتے ہیں جو کہ ایک نئی بدعت ہے سے کیسے حق ثابت ہوسکتا ہے ، اس حق کے ثبوت اور اس کے بیع کے جواز کی بات کوئی کیسے کرسکتا ہے جبکہ خود یہ صاحبِ تنقیح اس بیان سے تھوڑا پہلے کہہ چکے ہیں ، وُہ یہ عبارت ہے ، کہ ، لیکن قنیہ میں جو یہ کہا ہے کہ سلطانی زمین پر تیس سالہ قبضہ سے حق القرار اور ملکیت ثابت ہوجاتی ہے اور اگر قابض اس زمین کے حقِ قرار کو فروخت کرنا چاہے تو جائز ہے جبکہ ہبہ کرنے میں اختلاف ہے ، اور اگر قابض خود اس حق سے دستبردار ہوجائے تو قدیمی حق (حق القرار) ساقط ہوجائے گا ، حاوی الزاہدی ، اھ ، تو اس حق سے اعیان قیمتی مراد ہیں

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ باب مشد المسکۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/۲

التقومة لامجرد الامر المعنوی لما علمت
من عدم صحة بیعه ویدل علی ذٰلك قوله
فی البزازیة ولاشفعة فی الکردار ای
البناء ویسمی بخوارزم حق القرار لانه
نقلی اھ[1] ثم ستسمع الاٰن نصه الصریح
علی انکاره فسبحٰن من لاینسی ھذا
وقال فی ردالمحتار قد یقال ان الدراھم
التی دفعها صاحب الخلو للواقف و
استعان (ای الواقف) بھا علی بناء
الوقف شبیھة بکبس الارض بالتراب
فیصیرله حق القرار فلایخرج من
یده اذا کان یدفع اجر المثل
مثله مالوکان یرمم دکان الوقف
ویقوم بلوازمها من ماله باذن
الناظر، اما مجرد وضع الید
علی الدکان ونحوها وکونه یستاجرھا
عدة سنین بدون شیئ مما ذکر فھو
غیرمعتبر (الی ان قال) وممن
افتی بلزوم الخلو الذی یکون
بمقابلة دراھم یدفعها للمتولی او
المالك العلامة المحقق عبدالرحمٰن
افندی العمادی صاحب ھدیة ابن
العماد وقال فلا یملك صاحب الحانوت

نہ کہ صرف معنوی امر ہے کیونکہ تو معلوم کرچکا ہے کہ امر معنوی
کی بیع جائز نہیں ہے اس پر بزازیہ کا قول "کہ کردار یعنی
عمارت جس کو خوارزم میں حق القرار کہتے ہیں میں شفعہ کا
حق نہیں ہے، کیونکہ یہ حق منتقل ہونے والی چیز ہے اھ"
اس کے اس بیان کے باوجود اب تم ان سے صریح طور
پر اس بیان کا انکار سن رہے ہو، پس وہی ذات
پاک ہے جو بھولتی نہیں ہے، یہ قابل غور ہے۔
ردالمحتار میں فرمایا: خلو والا جو دراہم واقف کو دیتا ہے
اور واقف بطور امداد ان دراہم کو وقف کی تعمیر پر خرچ
کرتا ہے اس کے متعلق کہا جائے گا کہ یہ زمین میں مٹی
ڈالنے کے مشابہ ہے جس کے ذریعہ اس کو حقِ استقرار
حاصل ہوجاتا ہے تو جب تک مثلی اجرت دیتا رہے گا
اس کے قبضہ کو ختم نہیں کیا جاسکے گا، اسی کی مثل ہے
جب وقف دکان بوسیدہ ہوجائے تو وقف کے نگران
کی اجازت سے کوئی شخص اس کو اپنے مال سے مرمت
کرلے تو مروج کرایہ ادا کرنے کی شرط پر استقرارِ حق
ہوجائے گا، لیکن دکان وغیرہ پر محض قبضہ ہونا کہ چند
سالوں سے کرایہ دار ہے اور دراہم دینے کی مذکورہ
صورت نہ ہو تو استقرارِ حق معتبر نہ ہوگا (آگے یہاں
تک فرمایا) متولی یا مالک کو دیئے گئے دراہم کے عوض
خلو کے لزوم کا فتوٰی دینے والوں میں علامہ محقق
عبدالرحمٰن آفندی عمادی صاحب ہدیہ ابن عماد ہیں
اور انھوں نے کہا ہے کہ دکان کا مالک خلو والے کا

[1] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة باب مشد المسکة ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۱۸

اخراجه ولا اجارتها لغيره مالم يدفع
له المبلغ المرقوم فيفتی بجواز ذلك
للضرورة قياسا علی بيع الوفاء الذی
تعارفه المتأخرون احتيالا علی الربا الخ،
قلت وهو مقيد ايضا بما قلنا بما اذا كان
يدفع اجر المثل والا كانت سكناه
بمقابلة مادفعه من الدراهم عين
الربا كما قالوا فيمن دفع للمقرض دارا
ليسكنها او حمارا ليركبه الی ان
يستوفی قرضه انه يلزمه اجرة مثل
الدار او الحمار علی ان ما يأخذه
المتولی من الدراهم ينتفع به لنفسه
فلو لم يلزم صاحب الخلو اجرة المثل
للمستحقين يلزم ضياع حقهم، اللهم
الا ان يكون ماقبضه المتولی صرفه
فی عمارة الوقف حيث تعين ذلك
طريقا الی عمارته ولم يوجد من
يستأجره باجرة المثل مع دفع ذلك
المبلغ اللازم للعمارة، فحينئذ قد يقال
بجواز سكناه بدون اجرة المثل
للضرورة ومثل ذلك
يسمی فی زماننا مرصدا
كما قدمناه فی الوقف
والله سبحانه وتعالی اعلم۔[1]

قبضہ ختم نہ کر سکے گا اور نہ کسی اور کو کرایہ پر دے سکے گا
جب تک خرچ شدہ رقم اس کو واپس نہ کر دے، تو اس
خلو کے جواز کا ضرورت کی بنا پر فتوٰی دیا جائے گا، یہ
قیاس ہوگا اس بیع وفا پر جس کو متاخرین نے سود سے
بچنے کے لئے متعارف کرایا ہے الخ قلت (میں کہتا
ہوں) یہ جواز بھی ہمارے مذکورہ بیان کہ "جب تک
مروج کرایہ دیتا رہے گا" کی قید سے مقید ہے، ورنہ
یہ سکنٰی ان دراہم کے مقابلہ میں قرار پائے گا جو اس نے
مالک کو دئے ہیں جو کہ عینِ سود ہے جیسا کہ فقہاء نے
فرمایا کہ کسی نے قرض دینے والے کو رہائش کے لئے
مکان دیا یا سواری کے لئے گدھا دیا تاکہ جب تک
قرض واپس نہ ہو اس کے استعمال میں رہے، تو
اس صورت میں قرض دینے والے پر مکان یا گدھے کا
مروج کرایہ ادا کرنا لازم ہوگا (ورنہ سود ہوگا) علاوہ
ازیں متولی نے جو دراہم وصول کئے وہ ان کو ذاتی مفاد
میں صرف کرے گا تو خلو والے پر اگر مروج کرایہ لازم
نہ کیا جائے تو مستحقینِ وقف کا حق ضائع ہوگا، ہاں
اگر متولی وصول کردہ دراہم کو وقف کی عمارت میں خرچ
کرے جہاں وقف عمارت میں خرچ کرنے کی ضرورت
واضح ہو، اور اس مرمت شدہ عمارت کو مروج کرایہ
مع صرف شدہ رقم، دینے والا کوئی نہیں تو ایسی صورت
میں کہا جا سکتا ہے کہ متولی کو رقم دینے والا اس میں
ضرورت کے پیشِ نظر بغیر کرایہ رہائش کر سکتا ہے،
ایسی صورت کو ہمارے زمانہ میں "مرصد" کہا جاتا ہے

[1] ردالمحتار کتاب البیوع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۶۷

اقول قد قدم الکلام علی الوقف وانه لابد ان یدفع اجر المثل فعوده الیه ثانیا وقوله وھو مقید ایضا بما قلنا ان اراد به مسألة الواقف کما حط علیه اٰخر کلامه کان تکرارا ولم یکن محل لایضاد وان اراد به مسألة الملك لان کلام العمادی کان فیھما فلا حامل علی ایجاب اجر المثل الا ان یکون مال الیتیم بل لو نقص من اجر المثل فی الوقف لم یجز من جھة النقص لا لانه عین الربا لان تلك الدراھم لا تدفع قرضا بل اعانة للوقف والصرف فی ما یؤل نفعه الیه ولا تسترد ابدا الا ان یخرجه الناظر فیستردھا کما ذکر المحقق العمادی وعن ھذا کانت کبیع الوفاء فالدراھم فیه لیست قرضا عند مجوزیه والا کان الانتفاع به عین الربا کما ھو المعتمد فیه اما الدفع لیصرفه المتولی الی نفسه فحاش ﷲ لیس من الخلو فی شیئ بل عین رشوة و لیس لاحد من المسلمین

جیسا کہ ہم نے وقف کے بیان میں اس کو بیان کردیا ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم **اقول** (میں کہتا ہوں) ردالمحتار میں انھوں نے پہلے وقف کی بحث میں کلام کیا اور فرمایا کہ مثلی اجرت اور کرایہ ضروری ہے، پھر ان کا دوبارہ اس کو بیان کرنا اور یہ کہنا کہ عمادی کا یہ بیان بھی ہمارے سابقہ قول کے ساتھ مقید ہے، اگر اس سے وقف کا مسئلہ مراد ہے جیسا کہ انھوں نے اس پر بات ختم کی ہے، تو یہ تکرار ہے، اور عمادی کی مخالفت کا محل نہ ہوا اگرچہ ذاتی ملکیت کا مسئلہ مراد ہو کیونکہ عمادی کا کلام دونوں صورتوں کے بیان میں ہے بہرحال مثلی اجرت کے بیان کی ضرورت نہیں، ہاں اگر وہ ملکیت کسی یتیم کی ہو تو مثلی اور مروّج اُجرت ضروری ہوگی بلکہ وقف والی صورت میں تو مروّج کرایہ سے کم بھی ہو تو کمی کی وجہ سے ناجائز ہوگا نہ کہ سُود ہونے کی وجہ سے، کیونکہ یہ دی گئی رقم بطور قرض نہیں بلکہ وقف کے لئے اعانت کے طور پر دی گئی ہے جس کے منافع بالآخر وقف کی طرف راجع ہیں اور یہ رقم بیدخلی کے بغیر ناقابلِ واپسی ہے صرف بے دخلی پر واپس ہوگی جیسا کہ علامہ عمادی نے ذکر کیا، اسی وجہ سے یہ صورت بیع الوفاء کی مانند قرار پاتی ہے کیونکہ اس کے مجوزین حضرات کے ہاں وہ دراہم بطور قرض نہیں ہیں، ورنہ تو مکان دکان سے انتفاع عین سُود ہے جیسا کہ یہی معتمد علیہ بات ہے، لیکن یہ صورت کہ وقف کا متولی اپنی ذات کے لئے دراہم کو صرف کرے، اس غرض سے دینا تو ہرگز خلو نہیں بلکہ یہ تو رشوت ہے جس کے جواز کے متعلق کوئی بھی مسلمان قول نہیں کرسکتا چہ جائیکہ اس

ان یقول بجواز مثلہ فضلا عن لزومہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

رشوت کو لازم قرار دیا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

پھر اگر خلو وقف میں ہو تو شرط ہے کہ یہ عقد خود واقف یا متولی کرے دوسرے کو اختیار نہیں، نیز لازم کہ وُہ روپیہ خاص وقف کی منفعت صحیحہ میں صرف ہو نہ کہ واقف یا متولی یا کسی اور کے کام میں، نیز ضروری کہ وقف کو اس امداد مالی کی حاجت ہو اگر وقف خود اپنی منفعت کو پُورا کرسکتا ہے تو خلو باطل ہے۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

الموقوف علیہ الغلۃ او السکنی لایملك الاجارۃ الابتولیۃ او اذن قاض لان حقہ فی الغلۃ لا فی العین۔[1]

کسی کے لئے غلہ یا سکنٰی وقف ہو تو وہ زمین کو اجارہ پر دینے کا مالک صرف تولیت یا قاضی کی اجازت سے ہوسکتا ہے ورنہ نہیں کیونکہ اس کا حق صرف غلہ ہے عین چیز یعنی زمین نہیں ہے۔ (ت)

غمز العیون میں ہے:

شروط صحۃ الخلوات یکون مابذل من الدراھم عائدا علی جھۃ الوقف بان ینتفع بھا فیہ فما یفعل الاٰن من اخذ الناظر الدراھم ممن یدالخلو ویصرفھا فی مصالح نفسہ ھو فھذا الخلو غیر صحیح ویرجع الدافع بدراھمہ علی الناظر وان لایکون للوقف ریع یعمر منہ فان کان یفی لعمارتہ ومصاریفہ فلا یصح فیہ حینئذ خلو، فلو وقع کان باطلا وللمستأجر الرجوع علی الناظر بما دفعہ من الدراھم، وان یثبت ذلك الصرف علی منافع

خلو کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ہے کہ دراہم کے خرچ کرنے سے وقف کو فائدہ ہو کر ان کا نفع وقف میں شامل ہو، اور آج کل جو کچھ کیا جارہا ہے وہ یہ کہ وقف کا نگران خلو والے سے دراہم لے کر اپنے ذاتی مفاد میں خرچ کرتا ہے تو یہ باطل ہے لہذا دراہم دینے والے کو حق ہے کہ وہ نگران سے واپس وصول کرے اگرچہ وقف کی اتنی آمدن نہ ہو جس سے اس کی تعمیر ہوسکے، اور اگر اتنی آمدن ہو جس سے وقف کی عمارت وغیرہ مصارف پورے ہوسکتے ہوں تو اب اس میں خلو صحیح نہ ہوگا اگر اگر خلو کیا تو باطل ہوگا اور مستاجر کو دئے ہوئے اپنے دراہم واپس لینے کا حق ہوگا، اور اگر واقعی دراہم کے فوائد وقف کے لئے ہوں تو بھی محض نگران کی تصدیق ثبوت

[1] درمختار — کتاب الوقف — مطبع مجتبائی دہلی ۳۸۷/۱

الوقف بالوجه الشرعی فلوصدقه الناظر علی التصرف من غیر ثبوت ولا ظهور عمارۃ ان کانت ھی المنفعۃ فلا عبرۃ بھذا التصدیق لان الناظر لا یقبل قولہ فی مصرف الوقف حیث کان لذٰلک الوقف شاھد[1] اھ نقلہ عن ذٰلک الفاضل المالکی مقرابل معتمدا حیث قال ھذا خلاصۃ ماحررہ بعض فضلاء المالکیۃ فی تالیف مستقل فی ذٰلک واللہ الھادی الی قوام المسالک، وانما اطنبنا الکلام فی ھذا المقام لکثرۃ دوران الخلو بین الانام و احتیاج کثیر من القضاۃ الیھا وابتناء کثیر من الاحکام علیھا خصوصا قضاۃ الاوھام الذین لیس لھم شعور ولا الھام[2] اھ اقول ماذکر من عدم تصدیق الناظر مسلم ان کان مسرفا مفسدا او کذبہ الظاھر کأن یدعی صرفھا الی العمارۃ ولا عمارۃ والا فلعلہ عند المالکیۃ اما عندنا فالناظر امین والقول قول الامین مالم یکذبہ الظاھر قال فی الدرالمختار لو ادعی المتولی الدفع قبل قولہ[3] الخ وفی ردالمحتار عن الاسعاف و عن شرح الملتقی عن شروط

اور موقوفہ پر عمارت کے وجود کے بغیر قابلِ تصدیق نہیں ہے جبکہ منافع کا تعلق عمارت سے ہو، کیونکہ جب وقف کے منافع قابلِ مشاہدہ ہوں تو مصرف کے متعلق محض نگران کا قول قابلِ قبول نہیں ہوتا اھ، اس کو غمزالعیون نے اس مالکی فاضل سے ثابت بلکہ معتمد قرار دیتے ہوئے نقل کیا جہاں انھوں نے کہا کہ بعض مالکی فضلاء نے اس بحث میں اپنے مستقل رسالہ میں جو تحریر کیا ہے یہ اس کا خلاصہ ہے، اللہ تعالٰی ہی مضبوط راستہ کی راہنمائی فرمانے والا ہے۔ ہم نے اس بحث کو اس لئے طول دیا کہ لوگوں میں خلو کا رواج کثیر ہے اور بہت سے قاضی حضرات کو اس کی ضرورت درپیش ہے اور اس پر بہت سے احکام مبنی ہیں خصوصًا وہم پرست قاضیوں کے لئے جن کو فہم و شعور نہیں ہے اھ۔ اقول (میں کہتا ہوں) اس کا یہ ذکر کرنا کہ نگران کی تصدیق کافی نہیں ہے یہ وہاں درست ہے جہاں نگران مفسد اور چور ہو یا ظاہر حال نگران کو جھوٹا قرار دے مثلًا یہ کہ وہ عمارت پر صرف کرنے کا دعوٰی کرتا ہو حالانکہ موقوفہ پر عمارت کا وجود ہی نہیں ہے، ورنہ ہوسکتا ہے کہ یہ مالکی حضرات کا موقف ہو، لیکن ہمارے ہاں جب تک ظاہر حال نگران کو نہ جھٹلائے اس وقت تک نگران کو امین قرار دیا جائیگا اور اس کی بات ہی معتبر ہوگی، درمختار میں فرمایا ہے کہ اگر متولی ادا کرنے کا دعوٰی کرتا ہو تو اس کی بات قابلِ تسلیم

---

[1] و [2] غمزالعیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۹ - ۱۳۸

[3] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۲

الظهیریۃ وعن البحر عن وقف الناصحی اذا آجر الواقف او قیمہ او وصیہ او امینہ ثم قال قبضت الغلۃ فضاعت اوفرقتھا علی الموقوف علیھم وانکروا فالقول لہ مع یمینہ[1] اھ وفیہ عن الحامدیۃ عن بیری زادہ عن احکام الاوصیاء القول فی الامانۃ قول الامین مع یمینہ الا ان یدعی امرا یکذبہ الظاھر فحینئذ تزول الامانۃ و تظھر الخیانۃ فلا یصدق[2] اھ وفیہ عنھا عن المفتی ابی السعود انہ ان کان مفسدا مبذرا لایقبل قولہ بصرف مال الوقف بیمینہ[3] اھ بل استظھر السید الحموی نفسہ فی امانات الغمز قبول قولہ ولو بعد عزلہ مستندا بمسائل منھا ان الوصی لوادعی بعد موت الیتیم انہ انفق علیہ کذا یقبل

ہوگی الخ اور ردالمحتار میں اسعاف اور شرح ملتقی سے ظہیریہ کی شروط اور بحر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ناصحی کے وقف کے حوالہ سے کہا ہے کہ جب واقف یا ناظم یا وصی یا امین نے وقف زمین کرایہ پر دی اور پھر کہا میں نے غلہ (اُجرت) وصول کرلی ہے جو ضائع ہوگئی ہے یا موقوف علیہ لوگوں میں تقسیم کردی ہے اور وہ لوگ انکار کریں تو قسم لے کر متولی وغیرہ کی بات تسلیم کرلی جائیگی اھ، اور اسی ردالمحتار میں حامدیہ سے بیری زادہ کے حوالہ سے منقول ہے کہ وصی حضرات کے احکام کی بحث میں فرمایا کہ دیانت کے معاملہ میں قسم کے ساتھ ناظم کی بات تسلیم کرلی جائے گی ماسوائے ایسے معاملہ کے جس میں ظاہراً جھوٹ کا مدعی ہو تو ایسی صورت میں اس کی دیانت ختم اور خیانت واضح ہونے کی بناء پر تصدیق نہ کی جائے گی اھ اسی میں حامدیہ سے منقول ہے کہ انھوں نے مفتی ابوسعود سے نقل کیا ہے کہ اگر متولی وغیرہ مفسد اور فضول خرچ ہو تو وقف کے مال کو صرف کرنے کے متعلق اس کی قسم کے باوجود بات قبول نہ کیجائیگی اھ، بلکہ سید حموی نے ظاہر قرار دیتے ہوئے غمز کی امانات کی بحث میں فرمایا کہ اس کی بات قبول ہوگی اگرچہ اس کے معزول ہونے کے بعد اس کا قول ہو۔ اس بات کو حموی نے کئی مسائل سے ثابت کیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۲۵

[2] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ۳/ ۴۲۵

[3] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″

قولہ وعللہ بانہ اسندہ الیٰ حالۃ منافیۃ للضمان[1] اھ فکانہ سکت ھٰھنا معتمدا ظھورہ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کہ وصی شخص یتیم کی موت کے بعد دعوٰی کرے کہ میں نے یتیم پر اتنا مال صرف کیا ہے تو اس کی بات قبول کی جائے گی، اور اس کی وجہ انھوں نے یہ بیان کی ہے کہ وصی کا یہ بیان ایسی حالت کی طرف منسوب ہے جو ضمان کے منافی ہے، اس پر ان کا سکوت ظاہر پر اعتماد کی دلیل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

ظاہر ہے کہ زرِ مذکور فی السوال نہ ضرورت وقف کے لئے لیا گیا نہ وقف میں صرف ہوا بلکہ ایک شخص کی اپنی ذاتی غرض میں اگرچہ وہ متولی بھی ہے نہ وہ روپیہ حق استبقائے اجارہ کے بدلے ہے، نہ اجرت مثل اس سے جدا ہے بلکہ اُسی میں محسوب ہوا کرے گا تو کسی طرح خلوے کچھ علاقہ نہیں رکھتا بلکہ یقیناً وہ ایک قرض ہے کہ اس موقوف علیہ نے لیا اور اس کے بدلے وقف کو رہن کیا اور منافع حرام کو مقرض پر مباح کر دیا وقف کا رہن خود ہی باطل ہے، تنویر الابصار میں ہے:

فاذاتم ولزم لایملك ولایملك ولایعار ولایرھن[2]

جب وقف لازم و تام ہو جائے تو وہ کسی کا مملوک نہ کسی کو تملیک نہ عاریۃً اور نہ ہی بطور رہن دیا جاسکتا ہے (ت)

نہ کہ رہن دخلی کہ ملک کا بھی حرام ہے، تو یہ عقد حرام در حرام، ظلم در ظلم، ظلمات بر ظلمات ہے، واجب الرد ہے گیرندہ پر جب تک نہ چھوڑے وقف کے لئے اجر مثل تو خود ہی لازم ہوگا فان منافع الوقف مضمونۃ مطلقا (کیونکہ وقف کے منافع مطلقاً قابل ضمان ہوتے ہیں۔ ت) اور جو کچھ اس سے زائد حاصل کرے گا وہ بھی اُسے حلال نہیں وقف کر دے یا تصدق کرے، اور اول اولیٰ ہے کمافی الخیریۃ والعقود الدریۃ وغیرھما (جیسا کہ خیریہ اور عقود الدریہ وغیرہ میں ہے۔ ت) یہاں تک چار سوالوں کا جواب شافی ہو گیا اور پنجم کا بھی کہ اس معاملہ کو خلو سے علاقہ نہیں اگرچہ روپیہ ضروریاتِ وقف ہی کے لئے لیا اور انھیں میں صرف کیا کہ یہ روپیہ بمقابلہ استبقائے اجارہ علاوہ اجر مثل نہیں بلکہ اتنا زر اجر پیشگی لیا ہے وقتاً فوقتاً اجرت میں محسوب ہوگا اس سے عدم وقف خواہ اب انعدام وقف پر استدلال صریح جہل وضلال، وقف ثابت کسی کی ناجائز کارروائی سے غیر ثابت ہو سکتا ہے نہ زائل ورنہ ابطال اوقاف ظالموں کے اختیار میں ہو جائے جب چاہیں کوئی ناجائز کام کر دیں اور وقف باطل و زائل ہو جائے۔ ہاں تفتیش طلب اس کارروائی کا جواز و عدم جواز ہے اس میں مسئلہ شرعیہ یہ ہے کہ

---

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر کتاب الامانات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۸۳

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

دیہات کا ٹھیکہ جس طرح ہندوستان میں رائج ہے کہ زمین مزارعوں کے اجارہ میں رہے اور توفیر ٹھیکے میں دی جائے بلاشبہہ حرام ومردود و باطل ہے کما حققناہ بما لا مزید علیہ فی کتاب الاجارۃ من فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اس کی آخری تحقیق اپنے فتاوٰی کی کتاب الاجارہ میں کردی ہے۔ ت) فتاوٰی خیریہ لنفع البریہ میں ہے:

قریۃ وقف آجر المتکلم علیہا ثلثہا لرجل سنۃ بمال لیتناول ما یتحصل من الثلث المذکور من الغلال صیفیہا و شتویہا ھذہ الاجارۃ باطلۃ غیر منعقدۃ لما صرح بہ علماؤنا قاطبۃ من ان الاجارۃ اذا وقعت علی اتلاف الاعیان قصدا لا تنعقد ولا تفید شیئا من احکام الاجارۃ فلیس للمستأجر ان یتناول شیئا من الغلال بل ذٰلک للوقف یصرف فی وجوھہ المعینۃ۔[1] (ملتقطاً)

وقف گاؤں ہو اور موقوف علیہ شخص گاؤں کے تہائی حصہ کی آمدنی کو ایک سال کے لئے کسی مال کے بدلے اجارہ پر دے دے تاکہ اجارہ پر لینے والا شخص اس مال کے بدلے موسم گرما اور سرما کی آمدن کا تہائی حصہ حاصل کرلیا کرے تو یہ اجارہ باطل ہوگا اور منعقد ہی نہ ہوگا کیونکہ تمام علماء نے تصریح کی ہے کہ وہ اجارہ جو جو عین چیز کو قصداً تلف کرنے پر ہو وہ منعقد نہ ہوگا اور اجارہ کے احکام کے لئے مفید نہ ہوگا، اس لئے مذکورہ صورت میں اجارہ پر لینے والے کو اس آمدن کو لینے کا حق نہ ہوگا بلکہ یہ تمام آمدن وقف کے معینہ مصارف پر خرچ ہوگی (ملتقطاً)۔ (ت)

اسی میں ہے:

الاجارۃ اذا وقعت علی اتلاف الاعیان قصدا کانت باطلۃ فلا یملک المستأجر ما وجد من تلک الاعیان بل ھو علی ما کانت علیہ قبل الاجارۃ فتؤخذ من یدہ اذا تناولہا و یضمنہا بالاستہلاک لان الباطل لا یؤثر شیئا فیحرم علیہ التصرف فیہا لعدم ملکہ و ذٰلک کاستئجار بقرۃ لیشرب

جب اعیان کو تلف کرنے پر قصداً اجارہ کیا جائے تو باطل ہوگا لہذا اجارہ پر لینے والے کو ان اعیان کو حاصل کرنے کا حق نہ ہوگا بلکہ یہ اعیان یعنی غلہ وغیرہ وہیں خرچ ہوگا جہاں وہ اجارہ سے قبل خرچ ہوتے تھے اس لئے مستاجر (اجارہ پر لینے والے) کے قبضہ سے واپس لے لئے جائیں گے اگر اس نے وصول کرکے خرچ کرلئے تو اس سے ضمان وصول کیا جائے گا کیونکہ باطل معاملہ کوئی اثر نہیں رکھتا لہذا ان میں اس کا

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۷

لبنها وبستان لیاکل ثمرته ومثله استئجار مافی ید المزارعین لاکل خراجه[2]

تصرف حرام ہوگا اس لئے کہ وہ اس چیز کا مالک نہ تھا اس کی مثال جیسے کہ گائے و بھینس کو دودھ پینے کے لئے اجارہ پر لے، یا مثلاً باغ کو پھل کھانے کیلئے اور وقف کے مزارعین کے زیر قبضہ زمین کو غلہ حاصل کرنے کے لئے اجارہ پر لے۔ (ت)

اسی میں ہے:

الالتزام والمقاطعة علی مایتحصل من قریة الوقف من خراج بمال معلوم من احد النقدین یدفعه الملتزم ویکون له مایتحصل منها قلیلا کان اوکثیرا لاتجوز اذ لاوجه لها شرعا لکونها لاتتصور شرعا ان تکون بیعا اذ بعض المقاطع علیه معدوم وبعضه مجهول ولاان تکون اجارة لانها بیع المنافع والواقع علیه فی المقاطعة المشروحة اعیان لامنافع فهی باطلة بالاجماع[2] (ملتقطا)۔

کسی گاؤں کی آمدنی (حصہ بٹائی) حاصل کرنے کے لئے مقررہ نقد مال پر اجارہ کا فیصلہ اور التزام کرنا کہ جو قلیل یا کثیر حصہ بٹائی گاؤں سے حاصل ہو اس کو مستاجر حاصل کرے گا، تو یہ جائز نہیں، کیونکہ شرعاً اس کے جواز کی کوئی صورت نہیں، بیع اس لئے متصور نہیں ہوسکتی کہ معقود علیہ ابھی معدوم ہے اور کچھ حصہ مجہول ہے، اور اجارہ اس لئے متصور نہیں ہوسکتا کہ اجارہ منافع کی بیع کا نام ہے جبکہ مذکورہ صورت میں منافع کی بجائے اعیان (غلہ) پر سودا ہوا ہے، لہذا یہ بالاجماع باطل ہے۔ (ملتقطاً)۔ (ت)

اسی میں ہے:

اذا استأجر القری والمزارع لتناول خراج القاسمة اوخراج الوظیفة فالاجارة باطلة باجماع علمائنا[3] (ملتقطا)۔

جب گاؤں یا زراعت جن پر سرکاری وظیفہ یا حصہ بٹائی حاصل ہوتا ہے کو اجارہ پر لینا تاکہ ان سے حاصل وظیفہ یا حصہ کو بدلے میں وصول کیا کرے تو ہمارے علماء کے ہاں بالاجماع یہ اجارہ باطل ہے (ملتقطاً)۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۹
[2] " " " ۲/ ۱۲۶
[3] " " " ۲/ ۱۲۷

اسی میں ہے :

قریة ضمنها من له ولایتها الرجل بمال معلوم لیکون له خراجها فالتضمین باطل اذ لایصح اجارة لوقوعه علی اتلاف الاعیان قصدا ولابیعا لانه معدوم[1] (ملتقطا)۔

کوئی شخص مقررہ مال کے بدلے گاؤں کی آمدن کو کسی شخص کیلئے حاصل کرے تاکہ آمدن اس کے لئے ہو جائے تو یہ باطل ہے کیونکہ یہ اجارہ اس لئے نہیں ہوسکتا کہ یہ سودا منافع پر نہیں بلکہ اعیان (غلہ) کے تلف کرنے پر قصدًا ہوا ہے اور بیع بھی نہیں کیونکہ معدوم چیز پر سودا ہے (ملتقطا)۔ (ت)

اسی میں ہے :

تیماری آجر المتحصل من تیماره لاٰخر بمبلغ معلوم لاتصح وعلٰی کل منهما رد ماتناوله[2]

کھجور کے باغ والا اپنے باغ سے حاصل ہونیوالے پھل کو مقررہ نقد پر کسی دوسرے کو اجارہ پر دے تو صحیح نہیں ہے اور دونوں پر لازم ہے کہ ایک دوسرے کو واپس کردیں (ت)

اسی میں ہے :

قد اتفقت علماؤنا علی ان الاجارة اذا وقعت علی تناول الاعیان او اتلافها فهی باطلة فاجارة القری لتناول الخراج مقاسمة کان او وظیفة باطل وقد افتیت بذلك مرارا[3] (ملتقطا)

ہمارے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب اجارہ اعیان چیزوں کے حصول یا ان کے تلف کرنے پر کیا جائے تو باطل ہوگا لہذا وظیفہ یا حصہ بٹائی والا گاؤں اجارہ پر اس لئے دینا کہ متاجر اس کا وظیفہ اور حصہ عوض میں وصول کرلیا کرے تو یہ باطل ہے جبکہ میں نے بارہا یہ فتوٰی دیا ہے (ملتقطا)۔ (ت)

اسی میں ہے :

المقرر فی کلام مشایخنا باجمعهم ان الاجارة علی استهلاك الاعیان باطلة

ہمارے مشائخ نے بالاتفاق یہ طے کیا ہے کہ اعیان چیزوں کو بطور ہلاکت قبضہ میں لینے پر اجارہ باطل ہے اور

---

[1] فتاوٰی خیریہ | کتاب الاجارۃ | دار المعرفۃ بیروت | ۲/ ۱۲۷
[2] " | " | " | ۲/ ۱۲۸
[3] " | " | " | ۲/ ۱۲۹

وجعل العین منفعۃ غیر متصور فالاجارۃ حیث لم یقع علی الانتفاع بالارض بالزرع ونحوہ بل علی اخذ الخراج والدراھم المضروبۃ فھو باطل باجماع ائمتنا[1] (ملتقطا)

عین چیز کو نفع قرار دینا متصور نہیں ہوسکتا، تو جہاں زمین کا اجارہ زراعت وغیرہ سے انتفاع کے لئے نہ ہو بلکہ اس سے حاصل ہونے والے خراج اور وظیفہ مقررہ کو حاصل کرنے کے لئے ہو تو یہ بالاجماع باطل ہے (ملتقطا)۔ (ت)

اسی کی کتاب الوقف میں ہے:

لاقائل من فقہاء الاسلام بصحۃ الالتزام فی اوقاف الانام لانك مھما اعتبرتہ کان باطلا، وکیف ماقومتہ کان مائلا فان قدرتہ بیعا فھو بیع المعدوم او المجھول، وان قدرتہ اجارۃ فھی واقعۃ علی استھلاك الاعیان المعدومۃ الاٰتیۃ فیمایؤل، وھی فی الموجودۃ لاتجوز فکیف یستاجر منھا ماسیجوز وان اعتبرتہ واھبالما سیصرف ومتھبالما سیقبض فالھبۃ فی مال الوقف لاتجوز ولو بعوض[2] اھ اقول خص الکلام بالوقف لان السوال عنہ فاستدل بدلیل یخصہ والا فھبۃ المعدوم بطلانہ معلوم ولوفی الملك، قال فی الخیریۃ من الھبۃ وبھذا علم عدم صحۃ ھبۃ ماسیحصل من محصول القریتین بالاولی لان الواھب نفسہ لم یقبضہ بعد فکیف یملکہ[3] اھ۔

فقہاء اسلام میں کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں کہ سرکاری اوقاف کے وظائف کو حاصل کرنے کی ذمہ داری مقررہ نقد کے عوض حاصل کرلے کیونکہ آپ اسے جس معنی میں اعتبار کریں غلط ہوگا، اگر آپ بیع فرض کریں تو یہ مجہول یا معدوم چیز کی بیع قرار پائے گی اور اگر اجارہ فرض کریں تو یہ معدوم آئندہ پائے جانے والے اعیان کو حاصل کرنے پر اجارہ ہوگا جبکہ یہ موجودہ اعیان میں بھی جائز نہیں تو معدوم میں کیسے جائز ہوگا، اور اگر آئندہ موجود ہونے اور مہیا ہونے والی چیز کا ہبہ فرض کرو تو یہ وقف چیز کا ہبہ قرار پائے گا جبکہ وقف چیز کا ہبہ معاوضہ کے طور پر بھی جائز نہیں، **اقول** (میں کہتا ہوں) انھوں نے خاص وقف کے متعلق بات کی ہے کیونکہ سوال یہی تھا اس لئے انھوں نے وقف سے متعلق دلیل ذکر کی ہے ورنہ تو معدوم چیز کا ہبہ معلوم البطلان ہے اگرچہ ذاتی ملکیت ہو، خیریہ میں ہبہ کی بحث میں فرمایا کہ مذکورہ بحث میں معلوم ہوا کہ گاؤں کے بعد میں حاصل ہونیوالے محصول کا ہبہ بطریق اولٰی صحیح نہیں کیونکہ ابھی خود مالک کو ان پر قبضہ نہیں ہے تو وہ آگے کسی کو کیا قبضہ دے گا اھ (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۵
[2] ؍؍ کتاب الوقف ؍؍ ؍؍ ۱/ ۱۸۵
[3] ؍؍ کتاب الھبۃ ؍؍ ؍؍ ۲/ ۱۱۱

فتاوی علامہ تاجی بعلی تلمیذ صاحب درمختار میں ہے :

ھذا اذا لم تکن الاجارۃ واردۃ علی استھلاك الاعیان قصدا، اما اذا کانت کذٰلك بان کانت ارض القریۃ فی ایدی مزارعین وانما استاٴجرھا المستاٴجر المرقوم لیاٴخذ مایخصھا من خراج فھی باطلۃ کما صرح بذٰلك علماؤنا قاطبۃ[1]

یہ وُہ صورت ہے جبکہ اعیان کو بطورِ ملکیت ہلاک کرنے پر اجارہ قصداً وارد نہ ہُوا، اور اگر ایسا ہو کہ کسی گاؤں کی زمین مزارعین کے پاس ہو تو ان سے مقررہ محصل وصول کرنے پر اجارہ کیا کہ مستاجر وصول کرلیا کرے تو یہ باطل ہے جیسا کہ ہمارے تمام علماء نے تصریح کی ہے۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے :

وانظر مافی فتاوی الشیخ خیرالدین من الاجارات فقد افتی مرارا ببطلان ھذہ الاجارۃ المسماۃ بالمقاطعۃ والالتزام[2]

ہمارے شیخ خیرالدین کے اجارات کی بابت فتاوی پر غور کرو انھوں نے بار بار یہ فتوٰی دیا ہے کہ مقاطعہ اور التزام (ذمہ داری اور فیصلہ) کے عنوان سے جو اجارے کیے جاتے ہیں وہ باطل ہیں (ت)

ردالمحتار کتاب السیر میں قبیل فصل جزیہ ہے :

الواقع فی زماننا ان المستاجر لیستاجرھا لاجل اخذ خراجھا لا للزراعۃ ویسمی ذٰلك التزاما وھو غیر صحیح[3]

ہمارے زمانہ میں مستاجر حضرات خراج اور وظیفہ وصول کرنے کے لیے جو اجارہ طے کرتے ہیں وُہ مزارعت کیلئے نہیں ہے اس لئے وہ باطل ہیں جس کا نام انھوں نے التزام بنا رکھا ہے (ت)

تو یہ کارروائی قطعاً اجماعاً حرام و باطل واقع ہوئی جس کے مورث نے یہ فعل کیا اُس کے وارث پر تو کوئی الزام نہیں آتا نہ وہ اس وجہ سے قابلیت تولیت سے عاری ہو جبکہ فی نفسہ و برعایت شرائط واقف لائق تولیت ہو،

قال تعالٰی لاتزر وازرۃ وزر اخری[4]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا : کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ (ت)

---

[1] العقود الدریۃ بحوالہ فتاوی علامۃ التاجی البعلی کتاب الاجارہ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۲۱

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ " " " " " "

[3] ردالمحتار کتاب الجہاد باب العشر والخراج داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۶۶

[4] القرآن الکریم ۶۰/ ۱۶۴

محلِ نظر خود وُہ متولی ہیں جو اس حرام کے مرتکب ہُوئے یہاں ضرور فقیر اُن وقائع کا اظہار کرے جو ۳۴ برس سے آج تک کسی تحریر میں ذکر نہ کئے یہ مسئلہ کہ دیہات کا رائج ٹھیکہ حرام قطعی ہے جو کچھ محاصل ہو سب مالک قریہ کا ہے اگر گاؤں مملوک ہو یا وقف کا، اگر موقوف ہو ٹھیکیدار کو اس میں سے ایک حبہ لینا حرام ہے اور جس سال نشست کم ہو تو ٹھیکیدار کو جتنا وصول ہوا اسی قدر مالک یا متولی کو لینا حلال ہے پُوری رقم قرار یافتہ لینا حرام ہے مثلاً ہزار روپے سال کو ٹھیکہ تھا اور بارہ سو تحصیل ہُوئے تو یہ دو سو ٹھیکیدار کو حرام ہیں مالک یا واقف کا حق ہیں اور آٹھ سو ملے تو مالک و وقف کو اسی قدر حلال، دو سو زیادہ حرام ہیں، باوصف کمال وضاحت اس دار الفتن ہندوستان میں ایسا خفی مسئلہ ہے جس سے یہاں کے اکابر علماء غافل محض، اور خود اس میں اور اس کی تحلیل میں مبتلا ہیں چودھویں صدی کے علماء میں باعتبار حمایت دین و نصرت سنّت، نیز بلحاظ تفقہ حضرت مولانا مولوی محمد عبد القادر صاحب بدایونی رحمہ اللہ تعالٰی کا پایہ اکثر معاصرین سے ارفع تھا ایام ندوہ میں اور اُس کے بعد جب فقیر نے سرگرم حامیانِ دین کے خطاب تجویز کئے ہیں حضرت مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب کو الاسد الاسد الاشد، مولوی قاضی عبد الوحید صاحب فردوسی کو ندوہ شکن ندوی فگن، مولانا ہدایت رسول صاحب لکھنوی کو شیر بیشۂ سنّت رحمہم اللہ تعالٰی، حاجی محمد لعل خاں صاحب قادری برکاتی مدراسی سلمہ اللہ تعالٰی کو حامیِ سنت ماحیِ بدعت، اُسی زمانے میں حضرت فاضل بدایونی قدس سرہ کو تاج الفحول سے تعبیر کیا جو آج تک اُن کے اخلاف میں معمول و مقبول ہے اور وُہ بیشک باعتبارات مذکورہ اس کے اہل تھے رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ رحمۃً واسعۃً، ایسے فاضل جلیل کے پاس ۱۳۰۲ھ میں جب فقیر کا فتوٰی اس ٹھیکے کی حرمت میں گیا جس میں اس وجہ سے کہ فقیر اس وقت اپنے دیہات میں تھا اور سوا خیریہ و ردالمحتار کے کوئی کتاب ساتھ نہ لے گیا تھا فقط فتاوٰی خیریہ کی بعض عبارات تھیں، حضرت موصوف نے بعد تامل بسیار اُس پر صرف اس مضمون سے تصدیق تحریر فرمائی کہ نظر حاضر میں ان عبارات سے عدمِ جواز ہی معلوم ہوتا ہے، جب فقیر شہر کو واپس آیا مفصل فتوٰی عبارات کثیرہ کتب عدیدہ پر مشتمل لکھ کر بھیجا، اب حضرت نے پورے وثوق سے تسلیم کیا اور یہ فرما بھیجا کہ اس کے جواز کے حیلہ سے اطلاع دو، یہی حال اور علمائے اطراف کا ہے بعد سماع دلائل و وضوح تحریم یہی فرماتے پایا کہ حیلہ جواز نکالو یعنی عادتیں مستحکم ہوگئیں خود بھی ابتلا ہوچکا اور اس میں آرام بھی ہے لہذا حیلہ جواز کی تلاش ضرور ہُوئی۔ مبارک ہیں وُہ بندے کہ حکم پر مطلع ہو کر حق کی طرف رجوع لائیں اور اوانیان زمان کی طرح اپنے اور اپنے آباء و اساتذہ کی عادت کو شرع مطہر کے رَد کے لئے حجت نہ بنائیں۔ ردالمحتار کتاب الاجارہ میں ہے:

اذا تکلم احد بین الناس بذلک یعدون کلامہ منکرا من القول وھذہ بلیۃ قدیمۃ فقد ذکر العلامۃ قنالی زادہ

لوگوں میں جب یہ بات کی جاتی ہے تو اس کی بات کو لوگ غلط قول قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ مصیبت قدیم سے چلی آرہی ہے، چنانچہ علامہ قنالی زادہ نے ذکر کیا ہے

ان المسألة کثیرۃ الوقوع فی البلدان واذا طلب رفع اجارتھا یتظلم المستأجرون ویزعمون انہ ظلم وھم ظالمون، وبعض الصدور والاکابر یعاونھم ویزعمون ان ھذا تحرك فتنۃ علی الناس وان الصواب ابقاء الامور علی ماھی علیہ وان شر الامور محدثاتھا ولا یعلمون ان الشر فی اغضاء العین عن الشرع وان احیاء السنۃ عند فساد الامۃ من افضل الجھاد واجزل القرب[1] (ملتقطاً)

کہ بہت سے علاقوں میں یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے اور جب ایسے اجارہ کو ختم کرنے کی بات کی جاتی ہے تو مستاجر حضرات اپنے آپ کو مظلوم قرار دیتے ہیں اور اس کارروائی کو ظلم کہتے ہیں حالانکہ وہ خود ظالم ہیں، اور بعض معتبر حضرات اور اکابرین ان کی مدد کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ یہ کارروائی فتنہ کو ہوا دینا ہے حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ امور کو اپنی اصلی حالت پر رکھا جائے اور نئی بدعات کو شر قرار دیا جائے، وہ لوگ نہیں جانتے کہ شرع سے چشم پوشی میں شر ہے اور امت کے فساد کے وقت کسی سنت کو زندہ کرنا بہترین جہاد اور بڑی عبادت ہے۔ (ت)

ردالمحتار و عقود الدریہ میں ہے: وھذا اعلم فی ورق[2] (یہ ایک ورق میں عظیم علم ہے۔ ت)

تحریر العبارۃ للعلامۃ الشامی میں ہے:

فعلم بھذا ان ھذہ علۃ قدیمۃ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم[3]

تو معلوم ہوا کہ یہ پرانی بیماری ہے، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ (ت)

ایسا غامض مسئلہ کہ یہاں کے فحول علماء پر مخفی ہو اور عوام کی دوڑ انھیں تک ہے اگر عوام قبل اطلاع حکم اس میں مبتلا ہوں تو یہ نہ کہنا چاہیے کہ انھوں نے قصداً ارتکاب حرام یا وقف کی بدخواہی کی جس سے قابلِ تولیت نہ رہیں،

واللہ یعلم المفسد من المصلح واللہ غفور رحیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔